ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضہم ببعض

کیا جہاد کئے بغیر بھی ''امن'' کا قیام اور ''فساد'' کا خاتمہ ممکن ہے؟

محمد مثنّٰی حسّان

مغرب کی تہذیبی یلغار کے مہلک اثرات

عصرِ حاضر میں دنیا کے حالات پر نگاہ دوڑانے سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس وقت امریکہ و مغرب اور ان کی دجالی تہذیب زندگی کے ہر پہلو پر یلغار کئے ہوئے ہیں۔ اور اگر اس یلغار کے اثرات کو دیکھنا مقصود ہو تو امتِ مسلمہ کی دگر گوں صورتحال کو دیکھا جا سکتا ہے۔ آخر اس یلغار کا براہِ راست ہدف امتِ مسلمہ ہی کیوں ہے؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہی وہ امت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دینِ حق یعنی دینِ اسلام کا وارث بنایا ہے اور اسے دنیا میں اپنی نیابت اور امامت کے لئے منتخب کیا ہے۔ حق کی بالادستی کا مطلب باطل کا نابود ہونا ہے اور بیشک باطل تو ہے ہی نابود ہونے کے لئے، **إن الباطل کان زھوقًا**۔ اب ایسے میں باطل کی اصل ٹکر اسی حق کے ساتھ ہوگی اور وہ اپنے تیروں کا رخ اور اپنی تلوار کی نوک اِسی حق کی جانب رکھے گا تا کہ اپنی بقا کو ممکن بنا سکے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

آج باطل کا پرچم امریکہ کی قیادت میں پورے مغرب اور اس کی دجالی تہذیب کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی جنگ کسی ایک مسلم ملک یا چند ممالک کے ساتھ نہیں بلکہ ''**إن ھذہ أمتکم أمة واحدة**'' کی مخاطب پوری امت اور دینِ اسلام کے ساتھ ہے۔ اور یہ وہ حقیقت ہے جو ہر مسلمان کو آج اچھی طرح خاطر نشین کر لینی چاہیئے۔

باطل جہاں اس جنگ کو عسکری میدانوں میں لڑ رہا ہے، بایں وقت فکری محاذوں پر بھی مغربی تہذیب کے علمبردار مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ اس فکری جنگ کا کوئی ایک پہلو نہیں بلکہ مسلمانوں کی

سیاست سے لے کر معاشرت اور معیشت سے لے کر مذہب تک...... ہر پہلو سے مغربی تہذیب مسلمانوں کے اسلامی نظریات کو بری طرح پراگندہ و گدلا کر رہی ہے۔ باطل کی اس فکری جنگ میں ان کی سب سے بڑی خدمت مسلم خطوں میں موجود مغرب زدہ افراد سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے امریکہ و مغربی تہذیب کی بالادستی کو دل وجاں سے قبول کر چکے ہیں اور چاہتے کہ امتِ مسلمہ بھی اب اسی فاسد تہذیب کو اپنا لے۔ ان میں سیکولر سیاسی جماعتیں، فوج اور بیوروکریسی کی اعلیٰ قیادت، ذرائع ابلاغ سے وابستہ صحافی و دانشور، این جی اوز کے ذمہ داران اور جدت پسند ''سکالر'' شامل ہیں۔ انھی مغرب زدہ افراد کی کاوشوں کی بدولت آج عام مسلمانوں میں اسلام کے لبادے میں بڑے پیمانے پر مغربی لادینی نظریات پھیل چکے ہیں اور عامۃ المسلمین کے لئے حق اور باطل میں تفریق کرنا مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔

اصطلاحات کی جنگ

باطل کی فکری جنگ کا ایک بڑا حصہ 'اصطلاحات کی جنگ' پر مشتمل ہے۔ مسلمانوں میں بے شمار جدید اصطلاحات کو خاص معنوں کے ساتھ عام کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح بعض قدیم اصطلاحات کو نئے معنی پہنا کر ان کے ذریعے مخصوص نظریات کو ترویج دی جا رہی ہے۔ پھر اس سے بھی بڑی آفت یہ ہے کہ ان اصطلاحات کے پیچھے چھپے سیکولر نظریات کو اسلام کے مسلمہ نظریات کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، حالانکہ نہ تو اسلام کا ان نظریات سے کوئی تعلق ہے، نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں کوئی دلیل اتاری ہے۔

﴿اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾

(النجم:۲۳)

''یہ تو محض (کچھ) نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لئے ہیں، اللہ نے تو ان کے بارے میں کوئی سند نازل نہیں کی۔ (درحقیقت) یہ لوگ محض (فاسد) گمان اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے چل رہے ہیں، حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس واضح ہدایت آ چکی ہے''۔

نیز مسلم معاشروں میں یہ تمام کام ایسے غیر محسوس انداز سے کیا جا رہا ہے کہ عامۃ المسلمین اس کا

ادراک کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ مغرب کے ہاتھوں میں کھیلتے ذرائع ابلاغ، ان کے پیسوں پر پلتی این جی اوز اور ان کی ہم نوالہ وہم پیالہ سیکولر جماعتیں اِن اصطلاحات کو خوب ملمع سازی کے ساتھ اس تکرار سے استعمال کر رہی ہیں کہ عام مسلمان انھی کے چکر میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ جدت پسند ''دینی اسکالر'' انھی اصطلاحات کو شرعی تعبیر دے کر فکری وعقائدی گمراہی عام کرنے کا پورا انتظام کر رہے ہیں۔ (یہاں ہماری مراد وہ ''سکالر'' ہیں جو سوچے سمجھے انداز میں یہ کام کر رہے ہیں۔)

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ (الأنعام:۱۱۲)

''اور اسی طرح ہم نے کچھ شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنایا، وہ ایک دوسرے کے دل میں ملمع شدہ باتیں ڈالتے ہیں، دھوکہ دینے (اور گمراہ کرنے) کے لئے''۔

اس سب کا حتمی نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ اسلام کے مقابلے میں کفار اور ان کے عالمی نظام کا غلبہ مزید مستحکم ہوتا جا رہا ہے، ان کی تہذیب مسلمانوں میں سرایت کرتی جا رہی ہے، اور مسلمان مغرب سے مرعوبیت اور کفار سے مغلوبیت کے دلدل میں مزید دھنستے جا رہے ہیں۔ انہی اصطلاحات کے ذریعے ایک مقصد یہ بھی حاصل کیا جا رہا ہے کہ مسلمانوں میں کفار کے خلاف پائے جانے والے جذبۂ غیرت وحمیت کو ختم کیا جائے اور انھیں جہاد وقتال فی سبیل اللہ کی راہ سے روک کر دوسرے راستوں میں پھنسا دیا جائے۔ یہ سب مقاصد عملاً کیسے حاصل کیے جا رہے ہیں، اس کا تفصیلی جائزہ ان شاء اللہ ہم آئندہ سطور میں لیں گے۔ پس تمام علمائے حق اور داعیانِ دین پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کو تہذیبِ مغرب کی فکری یلغار سے بچائیں اور ان کی جاری کردہ اصطلاحات کی اسلام کی روشنی میں تنقیح کر کے عامۃ المسلمین کے سامنے ان کی حقیقت آشکارا کریں!

اگر ان اصطلاحات کی فہرست بنائی جائے تو بہت طویل ہو جائے گی کیونکہ آئے روز ہمیں نت نئے نام اور نئے نئے نعرے سننے کو ملتے رہتے ہیں، کبھی امریکہ کے منہ سے اور کبھی اقوامِ متحدہ کے دہن سے۔ پھر ہمارے یہاں پائے جانے والا مغرب زدہ طبقہ بھی بلا سوچے سمجھے انہی اصطلاحات کی جگالی کرنے لگتا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہوں: آزادی، مساوات، ترقی، روشن خیالی، اعتدال پسندی، بنیاد پرستی، رجعت پسندی، دہشت گردی، انتہا پسندی، تشدد، ریاستی رٹ، غیر ریاستی عناصر، ملکی مفاد، جمہوری

روایات، عسکریت پسند، مہذب ممالک، فلاحی ریاست، انسانی حقوق، وغیرہ۔ انھی اصطلاحات میں 'امن' اور 'فساد' کی اصطلاحات بھی شامل ہیں جنھیں آج مسلم دنیا میں کثرت سے استعمال کیا جارہا ہے، بالخصوص ان علاقوں میں جہاں امریکہ و مغرب کے خلاف جہاد و قتال کی ابتداء ہوچکی ہے۔ کیا کسی نے سوچا کہ ایسا کیوں ہے؟ زمان و مکاں کا یہ انتخاب آخر کیوں ہے؟

ذیل میں ہم اسی موضوع کا احاطہ کرنے کی کوشش کریں گے کہ شریعت کی روشنی میں ''امن'' اور ''فساد'' کی اصطلاحات کے کیا مطالب ہیں جبکہ مغرب مسلمانوں میں اس کے کیا مطالب عام کرنا چاہتا ہے اور کیوں کرنا چاہتا ہے؟ نیز اس حوالے سے شریعت مسلمانوں پر کیا ذمہ داری عائد کرتی ہے؟ تاہم اس سے قبل اگر ہم نے ایک نکتے کا تذکرہ نہ کیا تو شاید یہ مضمون نامکمل رہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی اصطلاحات کے مسلمانوں میں فروغ پانے کی وجوہات کیا ہیں؟ ان وجوہ کی نشاندہی اس لئے ضروری ہے تاکہ عامۃ المسلمین ان کا کماحقہ ادراک کرکے ان کا سدِباب کریں۔

ان اصطلاحات کے عام ہونے کی بنیادی وجوہات

اگر ہم غور کریں تو اس کی دو بنیادی وجوہ معلوم ہوتی ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم نے جس زمانے میں آنکھ کھولی ہے اس میں پچھلی ایک صدی سے اسلام اور شریعت کو کبھی عملاً نافذ نہیں دیکھا گیا (البتہ طالبانِ عالی شان کا چند سالہ دورِ امارت اس سے مستثنیٰ ہے)۔ خلافتِ عثمانیہ کے سقوط سے لے کر اب تک ہم نے مسلسل استبدادی کفار کے ہاتھوں غلامی ہی دیکھی ہے اور اس غلامی نے ہمارے اذہان میں اسلام کی اصل روح اور اس کی حقیقی تصویر کو کافی حد تک مجروح کردیا ہے۔ نتیجتاً عامۃ المسلمین کے افکار و عقائد میں بہت سے ایسے نظریات نے جگہ پالی ہے جن کا درس دراصل ہمیں کفارِ مغرب نے دیا تھا۔ کفارِ مغرب اور ان کے مقامی آلہ کاروں نے ان نظریات کو انتہائی ملمع سازی کے ساتھ مزین اور آراستہ اصطلاحات کی صورت میں مسلمانوں میں داخل کردیا حالانکہ اسلام ان نظریات سے کلیتاً بری تھا۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

دوسری وجہ یہ رہی کہ خلافتِ عثمانیہ کو ختم کرنے کے بعد اگلے مرحلے میں کفار نے اپنے ایجاد کردہ نظام

کو مسلم خطوں میں بالجبر رائج کرنا شروع کر دیا۔ آغاز میں مسلمانوں نے ان کے خلاف بہت سی تحریکات شروع کیں مگر مسلمانوں کی آستینوں میں پائے جانے والے سانپوں یعنی کفار کے باوفا خادموں، آلہ کاروں کی بدولت آہستہ آہستہ یہ تحریکات دم توڑتی گئیں۔ نتیجتاً مسلم خطوں میں مغرب کا عالمی نظام مکمل طور پر نافذ ہو گیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر عملی میدان میں مسلمان اس نظام کا حصہ بنتے گئے۔ پھر جو کچھ اس نظام نے انھیں دیا، وہ انھوں نے اپنا لیا۔ اسی تسلسل میں جو اصطلاحات مغرب نے انھیں دیں (اور جن معنوں اور نظریات کے ساتھ دیں)، انھوں نے وہ اپنا لیں، بغیر یہ دیکھے کہ اسلام ان کی بابت کیا کہتا ہے۔

پس انہی وجوہات کی بدولت آج مغرب کی عطا کردہ اصطلاحات اور ان کے ہمراہ بہت سے باطل عقائد و نظریات ہمارے معاشروں میں در آئے ہیں۔ پھر یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد (نظری طور پر تو) اسلام کو اپنا 'دین' سمجھتی ہے مگر (انجانے میں) عملاً اسے صرف ایک 'مذہب' کی حیثیت دیتی ہے جس کا تعلق فقط نماز، صیام، زکوۃ و دیگر انفرادی عبادات سے ہے۔ رہے امورِ سلطنت، سیاست، معیشت اور معاشرت کے عملی میدان تو ان میں مغرب کا مروجہ عالمی نظام ہی ٹھیک ہے اور اسلام کو اس سے کوئی تصادم نہیں! اسی کیفیت کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے مسلمانانِ ہند کو مخاطب کر کے کہا تھا:

ہے مملکتِ ہند میں اک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد

لہٰذا اگر آج کوئی ان امور کی بابت اسلام کی حقیقی تعلیمات کو واضح کرے اور اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو صحابہؓ و تابعینؒ اور علمائے راسخین کے فہم کی روشنی میں سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہونا چاہے تو عامۃ المسلمین کو یہ بات بہت عجیب اور نامانوس سی لگتی ہے۔ پھر اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مغرب زدہ لوگ ان پر دہشت گردی، انتہا پسندی، بنیاد پرستی، امن خراب کرنے اور فساد برپا کرنے کے عنوانات چسپاں کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کی پھیلائی ہوئی گمراہی کے سبب عامۃ المسلمین بھی حق کو پہچاننے سے قاصر رہتے ہیں۔

’امن‘ اور ’فساد‘

اب دوبارہ ہم اپنے موضوع کی جانب لوٹتے ہیں۔ آج مسلمانوں کو بڑے شد و مد سے امن کا پیغام دیا جا رہا ہے اور دنیا سے فساد کو ختم کرنے کا درس دیا جا رہا ہے۔ آج امتِ مسلمہ کی حقیقتِ حال کو بیان کریں تو افسوس کے ساتھ وہ یہ ہے کہ ہمارے سروں پر مغرب کا نظامِ کفر مسلط ہے اور ہمارا دینِ اسلام مغلوب ہے۔ مگر اللہ کی سنتِ عالیہ کے عین مطابق آج بھی اس کے کچھ مومن بندے کفار کے خلاف ڈٹے ہوئے ہیں اور دنیا بھر میں، بالخصوص اسلامی ممالک میں ان کے نظامِ عالم کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ ایسے میں مسلمانوں کو باور کرایا جا رہا ہے کہ یہ مجاہدین دراصل ’غیر ریاستی عناصر‘ ہیں جو فساد پھیلا رہے ہیں اور دنیا کے امن کو خراب کر رہے ہیں۔ اس بات کو مغرب نے اتنا فروغ دیا ہے کہ اب مسلمانوں کی فضا میں بھی اسی کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ مسلمانوں کی فضاؤں پر حاوی ذرائع ابلاغ، این جی اوز اور جدت پسند اسکالر ہر مسلمان کو سمجھا رہے ہیں کہ اس وقت جمہوریت و سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے اور اسلام کے غلبے کے لئے لڑنے والے درحقیقت فساد پھیلا رہے ہیں اور ہمارے علاقوں کا امن برباد کر رہے ہیں۔ لہٰذا اپنے خطوں کا امن برقرار رکھنا ہے تو ایسوں کو فساد پھیلانے سے باز رکھنا ہوگا۔ یہ ہیں وہ ’امن‘ اور ’فساد‘ جن کا راگ آج الاپا جا رہا ہے تا کہ دنیا میں کفار اپنے نظام کی بقاء کو یقینی بنا سکیں، اور افسوس کہ ہمارے سادہ لوح مسلمان بھائی بھی اس فکری یلغار سے شدید متاثر ہو رہے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ شریعت میں امن اور فساد کے معانی کیا ہیں۔

امن

امن دراصل سکون کے حاصل ہونے اور خوف کے زائل ہونے کو کہتے ہیں۔ اس میں ہر قسم کے نقصان کے خوف کا زائل ہونا شامل ہے، اسی طرح دشمن کے خوف اور آفات و مصائب کے خوف کا ختم ہونا بھی اسی کا حصہ ہے۔ یقیناً امن اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمت کا مل جانا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم فرمائی ہے کہ جب بھی ہم نئے مہینے کا چاند دیکھیں تو اللہ کے حضور دعا کریں کہ:

أللّٰهم أهلّه علينا بالأمن والإيمان والسلامة والإسلام......

’’اے ہمارے اللہ! اس چاند کو ہم پر امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کے ساتھ طلوع کیجئے‘‘۔

امن مشروط بہ ایمان

امن کے دو پہلو ہیں۔ایک کا انسان کی انفرادی زندگی سے تعلق ہے اور دوسری کا معاشرے کی اجتماعی زندگی سے۔ جب ہم شریعت کی جانب رجوع کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے لئے مطلق امن کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان اور اسلام کے ساتھ مشروط کیا ہے۔یعنی چونکہ امن کی نعمت کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر مبنی ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں امن صرف مومنین کے لئے ہے۔کفار کو تو اللہ تعالیٰ نے نہ دنیا میں اپنے عذاب سے امن میں رکھا ہے اور نہ ہی روزِ قیامت ان کے لئے کسی قسم کا امن ہوگا۔ نیز دنیا میں ان کے مقدر میں مومنین کے ہاتھوں ذلت لکھ دی ہے۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ عارضی مہلت کے طور پر انھیں کہیں امن مل جائے۔اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الأنعام:۸۱،۸۲)

''سو(اہلِ ایمان اور کفار کی) دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو؟ (پس) جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت کی راہ پر ہیں''۔

اس آیت میں مذکورہ امن کا مطلب ابن عاشورؒ (م۱۳۹۳ھ) ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''والمراد الأمن من عذاب الدنيا بالإستيصال ونحوه وما عذبت به الأمم الجاحدة، ومن عذاب الأخرة......''.

''(یہاں امن سے) مراد ہے؛ دنیا کے عذابوں سے امن یعنی (دنیا کے) نقصانات وغیرہ سے اور ان عذابوں سے جن میں اممِ کفار کو مبتلاء کیا جاتا ہے، اور (اسی طرح) آخرت کے عذاب سے (بھی) امن''۔

(التحرير والتنوير؛ سورة الأنعام، آية ۸۲)

اسی آیت کی تفسیر میں علامہ ابوسعود حنفیؒ (م۹۸۲ھ) فرماتے ہیں:

''أي:أولـئك الموصوفون بما ذكر من الإيمان الخالص عن شوب الشرك لهم

الأمن فقط وهم مهتدون إلى الحق، ومن عداهم في ضلال مبين''.

''یعنی یہ لوگ جو شرک کی ہر ملاوٹ سے پاک ایمانِ خالص سے متصف ہیں، فقط انھی کے لئے امن ہے اور یہی راہِ حق کی جانب ہدایت یافتہ ہیں، اور جو ان سے دشمنی کریں تو وہ صریح گمراہی میں ہیں''۔

(إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم؛ سورة الأنعام، آية ۸۲)

چنانچہ پہلی چیز ہم نے یہ جانی کہ مطلق امن کچھ معنی نہیں رکھتا یعنی انسان اگر ایمان اور اسلام کو چھوڑ کر امن کا تصور کرے تو یہ خام خیالی اور عبث بات ہے۔ رب سے سرکشی اور وحی کے انکار کا راستہ اختیار کرنے کے بعد امن وسکون میسر آنا محال ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ کفار و فجار انفرادی و اجتماعی، ہر سطح پر امن و سکون سے محروم ہیں۔ ان کی انفرادی زندگیوں میں جھانکیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ دنیا کی سب آسائشیں ملنے کے باوجود بھی نفسیاتی امراض میں مبتلا اور ذہنی دباؤ سے چھٹکارا پانے کے لئے ادویات لینے پر مجبور ہیں۔ جبکہ اجتماعی سطح پر دیکھیں تو ان کے خاندان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں، ان کے معاشروں میں قتل اور خودکشی کی شرح ناقابلِ یقین حد تک زیادہ ہے، زنا بالجبر کے واقعات ایک معمول بن چکے ہیں ......اور مجاہدینِ اسلام کی ضربوں کا خوف اس سب کے علاوہ ہے۔ یہ حال تو ان کا دنیا میں ہے، اور آخرت میں بھی ابدی غم اور تکالیف ہی ان کی منتظر ہیں۔

تاہم یہاں یہ بات ذہن میں کھٹکتی ہے کہ اگر امن ایمان کے ساتھ مشروط ہے تو اہلِ ایمان کو امن کیسے نصیب ہوگا جبکہ کفار ہر وقت ان سے برسرِ جنگ رہتے ہیں اور انھیں فساد میں مبتلا کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں؟ سو جیسا کہ ہم نے پہلے تذکرہ کیا ہے کہ امن کے دو پہلو ہیں۔ ان میں سے پہلا ایک مومن کا انفرادی زندگی میں امن کا حصول ہے، تو یہ ایمان کی لذت کے ساتھ ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ غزوۂ بدر میں جبکہ مشرکینِ مکہ کا تین گنا بڑا لشکر مسلمانوں کے خلاف لڑ رہا تھا تو اس حال میں بھی اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے دلوں سے مشرکین کا خوف زائل کیا اور انہیں امن کی نعمت سے بہرہ ور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ......﴾ (الأنفال:۱۱)

''اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، اپنی طرف سے امن وسکون دینے

کے لئے‘‘۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں بھی مومنین کے دلوں اور جسموں پہ امن وطمانیت کی نعمت اتاری، جس کا تذکرہ قرآن کریم میں ان الفاظ میں ہے:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ﴾ (آل عمران:۱۵۴)

’’پھراس نے غم کے بعد تم پر امن اتارااور تم میں سے ایک جماعت کو طمانیت کی نیند آنے لگی‘‘۔

امام ابن کثیرؒ (م۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

’’وكأن ذلك سجية للمؤمنين عند شدة البأس لتكون قلوبهم آمنة مطمئنة بنصر الله. وهذا من فضل الله ورحمته بهم ونعمه عليهم‘‘.

’’اور یہ چیز تو مومنین کی طبیعت میں شامل ہوگئی تھی کہ شدتِ لڑائی میں بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان کے دل امن واطمینان کا پیکر ہوتے تھے۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل اوراس کی رحمت تھی، اور ان کو عطا کردہ نعمت تھی‘‘۔

(تفسير ابن كثير؛ سورة الأنفال، آية ١١)

اب جبکہ عین حالتِ جنگ میں بھی اہلِ ایمان کو قلبی امن وطمانیت حاصل ہوتی ہے تو یقیناً جنگ کے علاوہ دیگر حالات میں بھی ایمان ہی انفرادی امن کا موجب ہوتا ہے۔ یہ تو انفرادی امن کی بات ہوئی، اب دوسرا مسئلہ باقی ہے کہ معاشرتی سطح پر امن کیسے حاصل ہوگا۔

امن مشروط بہ خلافت

اگر ہم سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کریں تو اس کا جواب بھی ہمیں بآسانی مل جاتا ہے۔ معاشرتی سطح پر امن قائم ہونے کی صورت یہی ہے کہ دنیا سے کفر وشرک کے خاتمے اور اللہ کے کلمے کی سربلندی کی خاطر جہاد کے نتیجے میں جب نظامِ خلافت قائم ہوگا، تو یہی دنیا میں اہلِ ایمان کے لئے امن کے حصول کا موجب بنے گا۔ یعنی معاشرتی سطح پر امن کا قیام خلافت ہی سے منسلک ہے۔

جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مکہ میں مشرکین کے ہاتھوں ستائے گئے اور پھر مدینہ ہجرت کرنے کے بعد بھی تمام مشرکینِ حجاز اور یہود کے ساتھ جنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے

انھیں تسلی دیتے ہوئے بشارت دی:

﴿وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (النور:۵۵)

''تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انھیں ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا، جیسے کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی تھی، اور یقیناً ان کے لئے ان کے دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے وہ ان کے لئے پسند فرما چکا ہے، اور ان کے خوف وخطر کو امن وامان سے بدل دے گا، کہ میری عبادت کرتے رہیں گے (اور) میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں تو وہ یقیناً فاسق ہیں''۔

قریباً تمام مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول میں حضرت ابو عالیہؒ کی یہ روایت بیان کی ہے:

''كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وأصحابه بمكة نحوًا من عشر سنين، يدعون إلى اللّٰه وحده وعبادته وحده لا شريك له سرا وهم خائفون، لا يؤمرون بالقتال، حتى أمروا بعد بالهجرة إلى المدينة، فقدموا المدينة، فأمرهم اللّٰه بالقتال، فكانوا بها خائفين يمسون في السلاح ويصبحون في السلاح، فغبروا بذلك ما شاء اللّٰه. ثم إن رجلا من أصحابه قال: يا رسول اللّٰه! أبد الدهر نحن خائفون هكذا؟ أما يأتي علينا يوم نأمن فيه ونضع عنا(فيه) السلاح؟ فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لن تغبروا إلا يسيرا حتى يجلس الرجل منكم في الملأ العظيم محتبيًا ليست فيهم حديدة.

وأنزل اللّٰه هذه الآية، فأظهر اللّٰه نبيه على جزيرة العرب، فأمنوا ووضعوا السلاح. ثم إن اللّٰه عز وجل قبض نبيه صلى اللّٰه عليه وسلم فكانوا كذلك آمنين في إمارة أبي‌بكر وعمر وعثمان حتى وقعوا فيما وقعوا وكفروا النعمة،

فأدخل (اللّٰہ) علیهم الخوف الذي کان رفع عنهم''.

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ دس سال تک مکہ میں رہے، اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو خفیہ طور پر دعوت دیتے رہے، لیکن یہ عرصہ اس حال میں گزرا کہ خوف اور بے اطمینانی نے انھیں گھیر رکھا تھا اور ابھی جہاد کا حکم بھی نہیں آیا تھا۔ اس کے بعد ہجرت کا حکم ہوا، لہٰذا ہجرت کرکے مدینہ پہنچے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں جہاد کا حکم دیا، (جہاد شروع ہوا۔ دشمنوں نے چونکہ چہار طرف سے گھیرا ہوا تھا تو) اہلِ اسلام بہت خائف تھے۔ خطرے سے کوئی وقت خالی نہ جاتا تھا اور صحابہ کرامؓ صبح وشام ہتھیاروں سے لیس رہتے تھے۔ ایک صحابیؓ نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم ہمیشہ اسی طرح خوفزدہ رہیں گے؟ کیا ہمیں کبھی اتنا سکون میسر نہیں آئے گا کہ ہم بے خوف ہوکر ہتھیار رکھ سکیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کچھ دن اور صبر کرلو) پھر اس قدر امن واطمینان ہوجائے گا کہ تم بھری مجلس میں میں گھوٹ لگائے بیٹھے ہوگے اور کسی کے پاس بھی ہتھیار نہ ہوگا۔

یہ آیت انہی حالات میں اتری، پھر (کچھ ہی عرصے میں) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جزیرۂ عرب پر غالب آگئے، مسلمانوں کے دل خوف سے خالی ہوگئے اور ہتھیار ہر وقت لگائے رہنا ضروری نہ رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلالیا، تاہم لوگ اس کے بعد بھی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں کامل امن وامان میں رہے۔ پھر مسلمان ان جھگڑوں میں پڑ گئے جو (بعد میں) رونما ہوئے اور (خلافت کی) نعمت کی قدر نہ کی۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ اسی خوف میں مبتلا کردیا جس سے انہیں نجات دی گئی تھی''۔

(ذکره الطبري والسمرقندي وابن کثیر وغیرهم، واللفظ من الدر المنثور للسیوطي)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ تمکین حاصل ہونے سے پہلے اس حال میں زندگی بسر کررہے تھے کہ انھیں کفار کا خوف مستقل دامن گیر رہتا تھا۔ تاہم وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عائد کردہ فریضے کی ادائیگی یعنی دنیا سے کفر وشرک کے خاتمے اور اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی کے لئے جہاد وقتال کرتے رہے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں بشارت دی کہ وہ انھیں جلد زمین میں خلافت عطا فرمائیں

گے اور یوں انھیں امن میسر آ جائے گا۔ پھر مشیتِ الٰہی کے عین مطابق یہی ہوا۔ مسلمانوں کو معاشرتی سطح پر اسی وقت امن میسر آیا جب زمین میں خلافت قائم ہوئی۔ اسی کا تذکرہ حضرت ابو عالیہؒ نے اپنی روایت کے دوسرے حصے میں کیا ہے۔ نیز آپ نے یہ بات بھی واضح کی ہے کہ جب مسلمانوں نے اس خلافت کی نعمت کی قدر نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ان سے امن چھین لیا اور انھیں خوف میں مبتلا کر دیا۔

اسلامی خلافت کی برکات اور اس کی بدولت امن وامان کے قیام پر مزید گفتگو مضمون کے آخر میں دوبارہ کریں گے۔ فی الحال ہم یہاں سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک قابلِ قدر مثال کا تذکرہ کرتے چلیں جس کے آئینے میں ہمیں خود ہی موجودہ دور میں امن کے حوالے سے پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا شافی جواب مل جائے گا۔

قریشِ مکہ کی مثال

امن کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے قریشِ مکہ کی مثال بہت ہی خوب ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قریشِ مکہ پر بے حد احسان کیا تھا اور انھیں پورے حجاز میں ایک خاص مقام عطا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں 'امن' کی عظیم نعمت عطا فرمائی تھی۔ اس حال میں جبکہ مکہ کے علاوہ حجاز کے دیگر علاقوں میں بدامنی، خوف اور جنگ کی صورتحال رہتی تھی، یہ لوگ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کے سبب امن میں رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے تجارتی قافلے بھی امن کے ساتھ شام اور یمن جایا کرتے تھے اور انھیں کوئی کچھ نہ کہتا تھا۔ اسی احسان کو اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ پاک میں ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ......﴾

(العنکبوت:٦٧)

''کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کا گہوارہ بنا دیا ہے حالانکہ ان کے گردونواح سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں......''

ایسے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور انھیں دعوت دی کہ وہ توحید اختیار کریں، تنہا رب تعالیٰ کی عبادت کریں اور بتوں اور طواغیت کی پوجا و پرستش ترک کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے احسان یاد دلا کر صرف اپنی ہی عبادت کرنے کا حکم دیا۔

﴿لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ. اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ. فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ. الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ (سورۃ قریش)

''چونکہ قریش مانوس ہوئے، یعنی جاڑے اور گرمی کے سفروں سے مانوس ہوئے...... لہٰذا انھیں چاہیئے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انھیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا''۔

اب چاہیئے تو یہ تھا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کے احسان سے انھیں مکہ میں امن اور عیش میسر تھا تو وہ فوراً یہ الٰہی دعوت قبول کر لیتے مگر افسوس کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احسانات بھول گئے۔

عملاً انھوں نے اپنے رب تعالیٰ کی دعوت کا جواب یہ دیا کہ بیت اللہ کو بتوں سے بھر دیا اور توحید کا صریح انکار کر کے اللہ تعالیٰ سے واضح بغاوت کی راہ اختیار کی۔ پھر اگلا قدم یہ اٹھایا کہ مکہ میں...... جو امن کا گہوارہ تھا...... اسلام کی دعوت قبول کرنے والے مومنین کے خلاف جنگ شروع کر دی اور سابقینِ صحابہ کرامؓ کو شدید اذیتیں پہنچانے لگے۔ یوں انھوں نے ام القریٰ یعنی سرزمینِ مکہ کو مومنین کے لئے خوف ودہشت کی جگہ بنا دیا۔

وہ مکہ جہاں ہر خائف انسان امان کے لئے آتا تھا، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل کو بھی یہاں دیکھ لیتا تو اسے کچھ نہ کہتا، وہ مکہ جہاں ہر چور، ڈاکو، قاتل و رہزن کو بھی امان مل جاتی تھی...... اسلام کے آنے کے بعد خوف ودہشت اور قتل و غارت گری کا مسکن بن گیا۔ کس کے لئے؟ اللہ تعالیٰ کے مخلص مومنین بندوں کے لئے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔

اور جہاں تک ان کا قولی جواب ہے تو وہ عملی جواب سے بھی زیادہ قابلِ تعجب ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ذریعے ہمیں ان کے جواب سے آگاہ کرتے ہیں:

﴿وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا......﴾ (القصص:۵۷)

''کہنے لگے کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہو کر ہدایت کے تابعدار بن جائیں تو ہم اپنے ملک سے اچک لئے جائیں گے......''

غور کیجئے کہ قریش نے کیا حجت بیان کی...... وہ قریش جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بیت اللہ کے سائے میں امن وامان کی زندگی بسر کر رہے تھے، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کی اور اس کا انکار کر دیا

بلکہ اس نعمت کو کفر و شرک کی خدمت میں لگا دیا۔ چنانچہ کہنے لگے کہ اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کر لی اور جو ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اسے قبول کر لیا تو عرب کے دوسرے قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور ہم پر لڑائی مسلط کر دیں گے جس سے ہمارا امن وسکون برباد ہو جائے گا۔ یعنی قریش نے امن وامان کو کفر کے ساتھ وابستہ سمجھا۔ وہ سمجھے کہ ایمان، ہدایت اور اسلام کے آنے سے امن خراب ہو جائے گا اور دشمن ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ دیکھئے کہ شیطان نے انھیں کیسے فریب میں مبتلا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں:

﴿......اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (القصص:۵۷)

''کیا ہم نے انھیں امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں تمام چیزوں کے پھل کھچے چلے آتے ہیں۔ (اور) یہ ہماری ہی طرف سے بطورِ رزق ہیں، لیکن ان میں سے اکثر لوگ کچھ نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ نے ہی انھیں حضرت ابراہیمؑ سے لے کر اس وقت تک امن عطا کیا تھا لیکن وہ اس امن کا رشتہ شرک سے جوڑنے لگے اور توحید کو اس لئے ترک کر دیا کہ کہیں اسے قبول کرنے سے ان کا امن خراب نہ ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ مزید تنبیہ کرتے ہوئے اگلی ہی آیت میں ان سے فرماتے ہیں:

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ (القصص:۵۸)

''اور ہم نے بہت سی وہ بستیاں تباہ کر دیں جو اپنی عیش وعشرت میں اِترانے لگیں تھیں۔ یہ ہیں ان کی رہائش گاہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد کی گئیں، اور ہم ہی ہیں آخر سب کچھ لے لینے والے''۔

اور پھر اسی طرح ہوا جس کا تذکرہ امام ابن کثیرؒ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''ولهذا سلبهم الله ما كان أنعم به عليهم، وقتل من قتل منهم ببدر، وصارت الدولة لله ولرسوله وللمؤمنين، ففتح الله على رسوله مكة، وأرغم آنافهم وأذل رقابهم''.

''اور اسی لئے بالآخر اللہ تعالیٰ نے انھیں دی ہوئی نعمتیں ان سے چھین لیں، بدر کے دن ان کے بڑے بری طرح قتل ہوئے۔ زمین اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے لئے ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ فتح کروایا اور مشرکین کو ذلیل و پست کردیا''۔

(تفسير ابن كثير؛ سورة العنكبوت، آية ٦٧)

اب ذرا اس پر غور کیجئے کہ کیا قریش نے جو منطق اور حجت پیش کی تھی، وہ صرف قریش ہی کی منطق تھی؟ نہیں، بلکہ آج بھی بہت سے لوگ اسی منطق کو اپنائے ہوئے ہیں۔ آج ایسے لوگوں کو جب بھی ایمان اور زندگی کے تمام شعبوں میں تطبیقِ اسلام کی دعوت دی جاتی ہے تو یہ اسی طرح کی منطق بیان کرتے ہیں۔ جب بھی کوئی نفاذِ شریعت کی دعوت لے کر اٹھتا ہے اور اس کے لئے جہاد کرتا ہے تو اسے یہی جواب دیا جاتا ہے کہ اس سے امن خراب ہوتا ہے اور پوری دنیا کی مخالفت اٹھانی پڑتی ہے۔ یعنی یہ لوگ اسلام اور شریعت کو چھوڑ کر امن کے متلاشی ہیں۔

یہ صرف اور صرف شیطان کا وسوسہ اور دھوکہ ہے، جو اس نے قریشِ مکہ کو بھی دیا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب فتحِ مکہ کے بعد قریش حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو کچھ ہی سالوں میں وہ مشرق و مغرب میں چھا گئے اور امن کا دائرہ کار بڑھتے بڑھتے دنیا کے دیگر خطوں تک پہنچ گیا۔ ہاں اا تنا ضرور تھا کہ اس امن وسکون کے حصول تک مسلمانوں کو متعدد مراحل سے گزرنا پڑا؛ مکی زندگی میں شدید آزمائشیں اور مظالم سہنے پڑے، مدینہ میں کئی سال تک دشمن کے حملوں اور جہاد و قتال کی سختیوں کا سامنا کیا ......اور بالآخر اسی صبر و استقامت کی بدولت ایک مستحکم نظامِ خلافت قائم اور حقیقی امن و امان حاصل ہوا۔

فساد

جہاں تک فساد کے معانی کا تعلق ہے تو اگر ہم اس کا مکمل احاطہ کرنا چاہیں تو اس کے لئے دفتر کے دفتر بھی کم پڑ جائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فساد ایک بہت وسیع اصطلاح ہے اور قرآنِ کریم میں اسے بہت سے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم کوشش کریں گے کہ اپنے موضوع کو اتنی ہی وسعت دیں جتنا اس مضمون کا دامن ہے اور فساد کے معانی اختصار کے ساتھ اسی حد تک بیان کریں جس حد تک ہمیں شبہات کے ازالے اور غلط فہمیوں کے تدارک کے لئے ضروری ہے۔ تاہم انتہائی اختصار کے ساتھ الفاظ

کی صورت میں ہم قرآن مجید میں بیان کردہ فساد کے معانی یہاں لکھے دیتے ہیں تاکہ قارئین اس سے آگاہ ہوجائیں۔

فساد کے معانی، قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لفظِ 'فساد' کو درج ذیل معنوں میں بیان کیا ہے:

......کفر وشرک	**النحل ۸۸، المؤمنون۷۱، الأنبیاء۲۲**
......دین سے دوری	**المؤمنون ۷۱**
......نفاق	**البقرة ۱۱، ۱۲**
......جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، انہیں توڑ ڈالنا	**الرعد ۲۵، محمد ۲۲**
......ناحق خون بہانا اور کھیتیوں کو تباہ کرنا	**البقرة ۳۰،۲۰۵، القصص ۴، النمل۴۸**
......اسراف	**الشعراء ۱۵۱،۱۵۲، القصص ۷۷**
......مسلمانوں سے دوستی اور کفار سے عداوت میں ضعف	**الأنفال ۷۳**
......ترکِ جہاد	**البقرة۲۵۱، محمد ۲۲**
......مال کی چوری	**یوسف ۷۳**
......زمین میں ناحق سرکشی	**القصص ۴، یونس ۸۳**
......جادو	**یونس۸۱**

یہ تمام فساد کے معانی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بیان کیے ہیں اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہی تمام زمین میں فساد کے پھیلنے کے اسباب ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ان میں آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے اور اگر ان سب میں سے بنیادی سبب ڈھونڈا جائے یا ان اسباب کی کوہان تلاش کی جائے تو وہ ہے کفر وشرک اور دین سے اعراض، جبکہ باقی تمام معانی انھی کے ذیل میں آجاتے ہیں۔

فساد کا بنیادی سبب؛ شرک اور دین سے اعراض

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر فساد ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر وشرک اور اس کے دین سے اعراض کی وجہ سے ہے۔ اس کے بالعکس اگر دنیا میں توحید پھیل جائے اور اللہ کا کلمہ بلند ہوجائے تو تمام

فساد ختم ہو جائے گا۔ آج کی دنیا کے مشاہدے سے ہی بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا میں تمام تر فساد کا سبب کفار و مشرکین کا غلبہ ہے۔ کفارِ مغرب جب علمِ وحی کو چھوڑ کر (نعوذ باللہ) خود خدا بن بیٹھے اور اپنی ناقص عقلوں پر بھروسا کرتے ہوئے اپنا نظام ایجاد کیا تو دنیا فساد سے بھر گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم:۴۱)

''خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں (اور شرک) کے سبب فساد پھیل گیا''۔

یہ آیت ہم پر واضح کر دیتی ہے کہ دنیا میں فساد پھیلنے کی وجہ لوگوں کا شرک اور ان کی بداعمالیاں ہیں۔ علامہ نسفیؒ (م۷۱۰ھ) لکھتے ہیں:

''(ظهـر الفساد في البر والبحر) نحو القحط وقلة الأمطار والريع في الزراعات والربح في التجارات ووقوع الموتان في الناس والدواب وكثرة الحرق والغرق ومحق البركات من كل شيء (بما كسبت أيدي الناس) بسبب معاصيهم وشركهم''.

''خشکی اور تری میں فساد کا پھیل جانا یعنی قحط، خشک سالی، زرعی آمدنی کی کمی، تجارت کا خسارہ، انسانوں اور چوپایوں کی اموات میں اضافہ، جلنے اور ڈوبنے کے حادثات کی کثرت اور ہر چیز سے برکت کا اٹھ جانا لوگوں کے گناہوں اور شرک کے سبب ہے''۔

(مدارك التنزيل وحقائق التأويل؛ سورة الروم، آية ۴۱)

امام رازیؒ (م۶۰۶ھ) یہ بات مزید واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وجه تعلق هذه الآية بما قبلها هو أن الشرك سبب الفساد كما قال تعالىٰ: ﴿لو كان فيهما آلهة إلا اللّٰه لفسدتا﴾ [الأنبياء:۲۲] وإذا كان الشرك سببه جعل اللّٰه إظهارهم الشرك مورثا لظهور الفساد، ولو فعل بهم ما يقتضيه قولهم: ﴿لفسدت السموات والأرض﴾ [المؤمنون:۷۱] كما قال تعالىٰ: ﴿تكاد السموات يتفطرن منه وتنشق الأرض وتخر الجبال هدا﴾ [مريم:۹۰]............ واعلم أن كل فساد يكون بسبب الشرك''.

''سابقہ آیت کے ساتھ اس آیت کا تعلق یہ (واضح کرتا) ہے کہ شرک ہی تمام تر فساد کا سبب

ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ﴿اگر آسمان وزمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو یہ دونوں فساد کا شکار ہو (کر درہم برہم ہو) جاتے﴾'' [الانبیاء:۲۲] اور جب شرک ہی فساد کا سبب ہے (تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے اظہارِ شرک کو فساد ظاہر ہونے کا سبب بنایا اور ان کے شرکیہ قول کے سبب انھیں اس عذاب (وفساد) میں مبتلا کر دیا: ﴿لفسدت السموات والأرض﴾ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں﴾ [مریم:۹۰]............اور خوب جان لو کہ ہر قسم کا فساد شرک کے سبب ہی پیدا ہوتا ہے''۔

(مفاتيح الغيب؛ سورة الروم، آية ۴۱)

لہٰذا معلوم ہوا کہ آج کے دور میں بھی فساد کا سبب یہی شرک ہے۔ آج دنیا بھر میں جو فساد برپا ہے اس کا اساسی سبب 'جمہوریت اور سرمایہ داری' کے شرکیہ نظام کی حاکمیت، اس جدید شرک کے علمبرداروں (یعنی کفارِ مغرب) کا غلبہ اور عقائد و اعمال میں شرک و بدعات کی قدیم و جدید صورتوں کا در آنا ہے۔ (یہ بات ہم تفصیل کے ساتھ سابقہ شمارے میں دیئے گئے مضمون میں فتنے کی تفسیر میں پڑھ چکے ہیں)۔ انھی کفار و مشرکین کے سبب دنیا سے تمام برکات اٹھ چکی ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں آنے والے بحران انھی کی بدولت ہیں۔ اگر دنیا سے فساد کو ختم کرنا مقصود ہے تو ان کے کفر و شرک، ان کے نظامِ کفر اور ان کے غلبے کو ختم کرنا ہوگا اور اس سب کی جگہ توحید کو عام اور خلافت کو قائم کرنا ہوگا۔

قانونِ دفعِ فساد

اللہ تعالیٰ نے دنیا سے فساد کو ختم کرنے کا انتظام بھی کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرة ۲۵۱)

''اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''﴿ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض﴾ كما دفع بداود شر جالوت عن بني

اسرائیل ﴿لفسدت الأرض﴾ بأهلها. يقول دفع الله بالنبيين عن المؤمنين شر أعدائهم وبالمجاهدين عن القاعدين عن الجهاد شر أعدائهم ولو لا ذلك لفسدت الأرض بأهلها ﴿ولكن الله ذو فضل﴾ ذو من ﴿على العالمين﴾ بالدفع".

''﴿اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا﴾ مثلاً اگر حضرت داوٗدؑ کے ذریعے اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر سے جالوت کے شر کو دور نہ کرتا تو لوگوں میں اور ﴿زمین میں فساد پھیل جاتا﴾۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کے ذریعے مومنوں سے ان کے دشمنوں کے شر کو دور کرتا ہے، اسی طرح مجاہدین کے ذریعے جہاد سے پیچھے بیٹھنے والوں سے دشمنوں کے شر کو دفع کرتا ہے، ورنہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو زمین والے فساد کا شکار ہو جاتے ﴿لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں﴾ چنانچہ اللہ نے ﴿دنیا والوں پر﴾ دفعِ فساد کے ذریعے بڑا احسان کیا ہے''۔

(تنوير المقباس من تفسير ابن عباس؛ سورة البقرة، آية ٢٥١)

یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں موجود فساد کو ختم کرنے کے لئے جہاد کی نعمت عطا کی ہے اور اللہ تعالیٰ مجاہدین ہی کے ذریعے لوگوں پر سے فساد کو دفع کرتے ہیں۔ علامہ عبدالرحمان بن ناصر السعدیؒ (م۱۳۷۶ھ) مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''أي: لو لا أنه يدفع بمن يقاتل في سبيله كيد الفجار وتكالب الكفار لفسدت الأرض باستيلاء الكفار عليها وإقامتهم شعائر الكفر ومنعهم من عبادة الله وإظهار دينه ﴿ولكن الله ذو فضل على العالمين﴾ حيث شرع لهم الجهاد الذي فيه سعادتهم والمدافعة عنهم ومكنهم من الأرض ......".

''اگر اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں قتال کرنے والے کے ذریعے فاجروں کے مکر اور کافروں کی دشمنی کو دفع نہ کرتے تو زمین فساد سے بھر جاتی کیونکہ (جہاد و قتال نہ ہونے کے سبب) کفار غالب آجاتے، اپنے شعائر جاری کر دیتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دینِ اسلام کے غلبے کی راہ میں حائل ہو جاتے۔ ﴿لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے﴾ کیونکہ اس نے انہیں جہاد کا حکم دیا ہے جس میں ان کے لئے (دنیوی و اخروی) سعادت اور فساد سے بچاؤ رکھا ہے،

اور اسی (جہاد) کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں تمکین دی ہے......''

(تیسیر الکریم الرحمٰن في تفسیر کلام المنان؛ سورۃ البقرۃ، آیۃ ۲۵۱)

پس جہاد فی سبیل اللہ دنیا سے فساد کو ختم کرنے کا سبب ہے۔ اسی کے ذریعے دنیا سے کفار کے غلبے کو ختم کر کے خلافتِ اسلامیہ کو قائم کیا جاتا ہے اور جب خلافتِ اسلامیہ قائم ہو جائے تو فساد باقی نہیں رہتا۔ اب بتائیے کہ جو شخص آج کفار کے غلبے کے خلاف جہاد کرے اور ان کے نظامِ باطل کو پوری دنیا سے اور بالخصوص مسلم خطوں سے اکھاڑ پھینکنے کی خاطر برسرِ پیکار ہو تو کیا شریعت کی رو سے وہ فساد پھیلا رہا ہے؟ ہرگز نہیں! اور بلاشبہ ایسا کہنے والے شریعت کی اتباع قطعاً نہیں کر رہے، ہاں مغرب اور اپنی خواہشات کی اتباع ضرور کر رہے ہیں۔

پس جان رکھئے کہ جہاد و قتال اللہ تعالیٰ کا مشروع کردہ فریضہ ہے اور اس کی ادائیگی دنیا سے فساد اور کفر کو ختم کرنے، اور نظامِ خلافت کو قائم کرنے کا سبب و وسیلہ ہے۔

خلافتِ اسلامیہ اور نفاذِ شریعت کی برکات

ہم نے سابقہ سطور میں پڑھ لیا ہے کہ معاشرتی سطح پر امن کا حصول اور دنیا سے فساد کا خاتمہ خلافت کے قیام ہی سے ممکن ہوگا۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے جو مالکِ دو جہاں کے فرامین اور نبی آخرالزماں ﷺ کے فرمودات سے مترشح ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیئے۔ نیز یہ تو خلافت کی برکات میں سے فقط دو برکات ہیں وگرنہ جب دنیا میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو جائے اور توحید عام ہو جائے تو ہر شے میں برکات کا ظہور ہوتا ہے۔

حضرت عدیؓ بن حاتم بیان فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ اتنے میں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپ ﷺ سے فاقہ کشی اور محتاجی کی شکایت کی۔ پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے راہزنی کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عدی! کیا تم نے مقامِ حیرہ دیکھا ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ میں نے اسے نہیں دیکھا مگر لوگوں سے اس کے متعلق سن رکھا ہے (اور جانتا ہوں کہ حیرہ کہاں واقع ہے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم زندہ رہے تو ایک دن دیکھ لو گے کہ جب ایک عورت (تنہا) حیرہ سے چل کر (مکہ میں آ کر) کعبہ کا طواف کرے گی اور اللہ کے سوا (راستے میں) وہ کسی

سے نہ ڈرے گی''۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت قبیلہ طے کے رہزن جنھوں نے (اپنے ظلم وفساد کی) آگ شہروں میں لگا رکھی ہے، کہاں ہوں گے؟ (نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: ''اے عدی! اگر تم زندہ رہے تو تم لوگ ضرور کسریٰ کے خزانوں کو فتح کرو گے''۔ میں نے عرض کیا کہ کیا کسریٰ بن ہرمز؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(ہاں!) کسریٰ بن ہرمز''۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم زندہ رہے تو ایک دن دیکھ لوگے کہ انسان سونے یا چاندی سے ہتھیلی بھر کر (صدقہ دینے کے لئے) باہر نکلے گا اور خواہش کرے گا کہ کوئی اسے قبول کرے مگر کسی کو (ایسا محتاج) نہ پائے گا جو اس سے (سونے چاندی) لے...... حضرت عدیؓ کہتے ہیں: ''پھر میں نے (وہ زمانہ) پایا اور بچشمِ خود دیکھ لیا کہ ایک عورت (تنہا) حیرہ سے چلتی ہے، خانہ کعبہ کا طواف کرتی ہے اور اپنے گھر واپس آجاتی ہے، اور اس سفر میں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی۔ اور میں (بھی) ان لوگوں میں تھا جنھوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کئے۔ اگر تم لوگ کچھ دن مزید زندہ رہے تو جو (ہمارے) نبی ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان ہاتھ بھر کر سونا چاندی لئے لئے پھرے گا (اور کسی قبول کرنے والے کو نہ پائے گا)، تو تم یہ پیشین گوئی بھی پوری ہوتی دیکھ لوگے''۔

اور پھر واقعی مسلمانوں نے وہ زمانہ بھی پایا کہ جب کوئی صدقہ وزکوٰۃ وصول کرنے والا نہ ہوتا تھا۔ ایسا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ خلافت میں ہوا۔ (بحوالہ بیہقیؒ)

امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں نفاذِ شریعت کی برکات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حضرت ابوعالیہؒ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نافرمان زمین کے بگاڑنے والے ہیں اور آسمان وزمین کی اصلاح اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت سے ہے۔ حدیث میں مروی ہے:

''حد يقام في الأرض خير للناس من أن يمطروا ثلاثين أو أربعين صباحا''۔

''زمین پر ایک حد کا قائم ہونا زمین والوں کے حق میں تیس دن یا چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے''۔

(مسند أحمد)

یہ اس لئے کہ حد کے قائم ہونے سے مجرم گناہوں سے باز رہیں گے اور جب گناہ نہ ہوں گے تو لوگوں کو آسمانی وزمینی برکات حاصل ہوں گی۔ چنانچہ آخری زمانے میں جب حضرت عیسی بن مریم علیہما

السلام اتریں گے اور اس پاک شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے، مثلاً خنزیر کو قتل کیا جائے گا، صلیب کو توڑ ڈالا جائے گا، جزیہ ترک کر دیا جائے گا یعنی اسلام یا جنگ کے سوا کوئی رستہ باقی نہیں چھوڑا جائے گا؛ پھر آپؑ کے زمانے میں دجال اور اس کے مرید ہلاک ہوجائیں گے، یاجوج وماجوج تباہ ہوجائیں گے ......تو زمین سے کہا جائے گا کہ اپنی برکتیں ظاہر کر دے۔ چنانچہ اس دن ایک انار لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا، اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے چھلکے تلے یہ سب لوگ سایہ حاصل کریں گے۔ ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے کو کفایت کرے گا۔ یہ ساری برکتیں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو (دنیا میں) نافذ کرنے کی وجہ سے ہوں گی۔ جوں جوں شریعت کے مطابق عدل وانصاف بڑھے گا، توں توں خیر و برکت بڑھتی چلی جائے گی۔

(تفسیر ابن کثیر؛ سورۃ الروم، آیۃ ۴۱)

یہاں فقط نظامِ خلافت اور نفاذِ شریعت کی برکات کی جانب اشارہ کرنا مقصود تھا اور اسی لئے چند روایات ہی کے تذکرے پر اکتفاء کیا گیا۔

حاصلِ کلام

جو کچھ ہم نے سابقہ صفحات میں تحریر کیا، اس کا حاصل یہ ہے کہ:

☆ ہمیشہ کی طرح عصرِ حاضر میں بھی ہمیں حق و باطل کا ایک عظیم معرکہ درپیش ہے۔ امریکہ، مغرب اور ان کا پورا نظام دینِ اسلام کو دنیا سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ ان کی طرف سے امت پر مسلط کردہ جنگ کا ایک اہم حصہ 'اصطلاحات کی جنگ' ہے۔ اس جنگ کے ذریعے وہ مسلمانوں کو غیر محسوس انداز میں اسلام کی حقیقی تعلیمات سے دور کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے ذہنوں میں اسلام کی اصل تصویر کو مسخ کر رہے ہیں۔ یہ کفار مسلمانوں کو اپنی خودساختہ تعبیرات دے کر اپنے نظام میں مدغم کر رہے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان کی اس فکری جنگ سے ہوشیار رہیں، ایسی تمام اصطلاحات (جن کا ہم اوپر تذکرہ کر چکے ہیں) کا مفہوم شریعت کی روشنی میں سمجھیں، ان کے استعمال سے اور ان کے پیچھے مستور کفریہ نظریات سے خود کو محفوظ رکھیں، اور شرعی اصطلاحات اور شریعت کے عطا کردہ عقائد وتصورات سے چمٹے رہیں۔

☆ آج ہمارے سروں پر مسلط جمہوری اور سرمایہ دارانہ نظام ایک کفریہ شرکیہ نظام ہونے کے سبب منبعِ شر وفساد ہے۔ یہ امر تو محال ہے کہ سروں پر یہ شرکیہ نظام مسلط ہو، عقائد وتصورات بھی جدید وقدیم

شرکیات وخرافات سے آلودہ ہوں اور اس کے باوجود مسلمانوں کو امن میسر آجائے۔اسی فساد اور شرک کو دنیا سے ختم کرنے کے لئے شریعت نے ہم پر جہاد وقتال کو فرض کیا ہے۔پس ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جہاد وقتال گو طبعی طور پر ہمیں ناگوار ہی کیوں نہ ہو مگر یہ ایک شرعی فریضہ ہے، اور اس فریضے کی ادائیگی کے بغیر اس فساد کا خاتمہ، خلافت کا قیام اور امن کا حصول ہرگز ممکن نہیں۔لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ مجاہدینِ صادقین کے ساتھ بھرپور تعاون کریں تاکہ فتنۂ نظامِ کفر کی بیخ کنی اور نظامِ خلافت کی بنا استوار ہو سکے۔

امام عزؒ بن عبدالسلام (م ٦٦٠ھ) اس مدد وتعاون کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''والجهاد من أبر البر، والمعونة عليه من أفضل المعونة''.

''جہاد کا شمار سب سے بڑی نیکیوں میں ہوتا ہے اور اس میں مدد کرنا (خیر کے کاموں میں) معاونت کی سب سے افضل صورت ہے''۔

(أحكام الجهاد وفضائله؛ باب فضل تجهيز الغزاة)

☆ عامۃ المسلمین کے تمام تر دنیوی مسائل کا حل بھی یہی ہے کہ زندگی کے ہر پہلو میں شریعت کی اتباع اختیار کی جائے اور خلافت کا مبارک نظام قائم کیا جائے۔ان مسائل کے حل کے لئے کوئی دوسری راہ اختیار کرنا سرابوں کے پیچھے دوڑنے کے مترادف ہے۔نیز جب ہماری دنیوی واخروی فلاح اتباعِ شریعت اور نظامِ خلافت ہی سے وابستہ ہے تو پھر کسی دوسرے نظام کا حصہ بن جانا، کسی دوسرے فکر وفلسفے کو اختیار کر لینا شرعاً وعقلاً...... ہر دو لحاظ سے غلط ہے۔ساتھ ہی ساتھ عامۃ المسلمین کو یہ بات بھی اچھی طرح خاطر نشیں کر لینی چاہئے کہ چونکہ نظامِ خلافت جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر ہرگز قائم نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا کچھ عرصہ ضرور مشکلات وآزمائشوں سے بھرپور گزرے گا اور پھر کہیں جا کر اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت سے ہمیں منزل حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ جلد ہمیں نظامِ خلافت کی بہاریں دکھائیں اور نفاذِ شریعت کی برکات عطا فرمائیں، آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين!